سلسلۂ مطبوعات شاہ ابوالخیر اکاڈمی نمبر ۵

منهج الألباء

فی

السلام علی الانبیاء والرضا عن الأولیاء

یعنی

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے حضرات کے لئے صلاۃ و سلام کا مسئلہ

از

حضرت شاہ ابوالحسن زید مجددی فاروقی

ناشر

سید نظام الدین احمد کاظمی

درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر۔ چتلی قبر۔ دہلی ۶

(مطبوعہ: کمال پرنٹنگ پریس نئی سڑک دہلی)

الاستفتاء ۔ درج ذیل دونوں مسئلوں میں اپنی تحقیقات سے ہمارے عقیدوں کو سنواریں۔

۱۔ "رضی اللہ عنہ" جس طرح تمام صحابہ کرام کو کہا جاتا ہے اور "علیہم السلام" نہیں کہا جاتا۔ کیا اسی طرح حضرات حسنین کو بھی "رضی اللہ عنہ" کہا جائے۔ اور "علیہم السلام" نہ کہا جائے۔ اہلِ سنّت کا کیا طریقہ ہے۔ ؟

نیز کہنے والے کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین افضل الامۃ ہیں۔ تو پھر خلفاء کے ساتھ "علیہم السلام" کا استعمال کیوں نہیں اور خاص کر حضرات حسنین کے ساتھ استعمال میں کیا مصلحت ہے۔ ؟

۲۔ کیا کربلا کی لڑائی کفر و اسلام کی لڑائی نہ تھی ؟

۵ اپریل ۱۹۷۰ء مستفتی :۔ محمد اسحٰق ابن مفتی محمد ابراہیم

۵/۹ کچی باغ ۔ بنارس

الجواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وبعد

ا۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے اسمائے گرامی کے بعد دعائیہ جملہ "رضی اللہ عنہ" لکھنا چاہیئے۔ "علیہ السلام" کا لکھنا ٹھیک نہیں۔ ائمہ اہل سنت نے حضرات اہل بیت اطہار کیلئے "علیہ السلام" کی تخصیص نہیں کی ہے علمائے اعلام نے اپنی تالیفات میں اچھے پیرایہ سے اس کو بیان کیا ہے۔ اس وقت اس عاجز کے سامنے دو کتابیں ہیں ایک شفا از قاضی عیاض مع اس کی دو شرح کے متن میں خفاجی کی نسیم الریاض اور حاشیہ پر ملا علی قاری کی شرح۔ مطبوعہ مطبعۃ ازہریہ مصریہ در ۱۳۲۶ھ اور دوسری کتاب تفسیر روح المعانی از سید آلوسی۔ نسیم الریاض کی جلد ۳ کے صفحہ ۵۰۸ سے ۵۱۰ تک اور روح المعانی کی جلد ۷ کے صفحہ ۹۵ سے ۱۰۱ تک مطبوعہ مطبعۃ کبریٰ میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ ان میں سے مختصر طور پر کچھ لکھتا ہوں۔ واللہ الموافق۔

من حیث المعنی اسمائے گرامی کے بعد تعظیمی یا دعائیہ جملوں کا استعمال جیسے "صلی اللہ علیہ وسلم" یا "علیہ الصلوٰۃ والسلام" یا "علیہ السلام" یا "رضی اللہ عنہ" یا "غفر اللہ لہ" درست ہو سکتا ہے۔ کسی امتی کے نام کے

بعد ایسے جملے لکھے جا سکتے ہیں۔ اور نبی کے نام کے بعد کوئی لکھ سکتا ہے۔
"رسول اللہ محمد عزّوجل" کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وتعزروہ و
توقروہ۔ اور اسی طرح امتی کے نام کے بعد کوئی لکھ سکتا ہے۔ حضرت
ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے "ھو الذی یصلی علیکم
وملائکتہ۔ ای یصلی علی المومنین۔ اور اس کا ارشاد ہے۔
"اولئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ" ای علی المومنین
صلوٰت۔

من حیث المعنی اگرچہ اس طرح پر دعائیہ جملوں کا استعمال کیا جا سکتا
ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ صدر اول اور سلف صالح کا کیا طریقہ رہا ہے۔ کیا
اس مبارک دور میں کسی نے کہا ہے "قال النبی یا قال الرسول عزّوجل"
یا "قال ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم" اس سلسلہ میں قاضی ابوالفضل عیاض
لکھتے ہیں۔

قال القاضی والذی ذھب الیہ المحققون والذی امیل
الیہ ما قالہ مالک وسفیان رحمھما اللہ وروی عن ابن
عباس واختارہ غیر واحد من الفقھاء والمتکلمین انہ
لا یصلی علی غیر الانبیاء عند ذکرھم بل ھو شئ یختص بہ
الانبیاء توقیراً وتعزیراً کما یختص اللہ تعالیٰ عند ذکرہ
بالتنزیہ والتقدیس والتعظیم ولا یشارک فیہ غیرہ کذلک
[illegible] النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء

بالصلوٰۃ والتسلیم ولا یشارک فیہ سواھم کما امر اللہ
بقولہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ ویذکر من سواھم
من الائمۃ وغیرھم بالغفران والرضا۔ کما قال تعالیٰ۔
"یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان"
وقال "والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم" وایضا
فھو امر لم یکن معروفاً فی الصدر الاول کما قال ابو عمران
وانما احدثہ الرافضۃ والمتشیعۃ فی بعض الائمۃ
فشارکوھم عند الذکر لھم بالصلوٰۃ وساووھم بالنبی صلی اللہ
علیہ وسلم فی ذلک۔ وایضاً۔ فان التشبہ باھل البدع
منھی عنہ فتجب مخالفتھم فیما التزموہ من ذلک ۔۔ الخ
وقال القاضی بعد اسطر۔ وھذا اختیار الامام ابی
المظفر الاسفرائنی من شیوخنا وبہ قال عمر بن عبد البر۔ آھ

ترجمہ :۔ یعنی جدھر قاضی (مؤلف شفا) کا میلان ہے اور
جدھر محققین گئے ہیں وہ وہ ہے جو کہ مالک اور سفیان کا قول ہے۔ اور جو کہ
ابن عباس سے مروی ہے اور جس کو کسی ایک نے نہیں بلکہ بہت سے
فقہاء اور متکلمین نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کے علاوہ دوسرے حضرات کے تذکرے کے وقت صلی اللہ علیہ نہ کہے۔
انبیاء علیہم السلام کی جس توقیر اور تعظیم کا حکم ہے اس کے پیش نظر انبیاء
علیہم السلام کے اسماء گرامی کے ساتھ یہ دعائیہ جملہ ایسے ہی مخصوص

ہو گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ تنزیہ تقدیس اور تعظیم
کے الفاظ مخصوص ہیں۔ مثلاً (عز و جل سبحانہ و تعالیٰ۔ تعالیٰ و تقدس)
تقدیس و تنزیہہ کے ان جملوں میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔
اسی طرح صلوٰۃ و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء
کے ساتھ مخصوص ہے۔ صلوٰۃ و سلام میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ
کسی اور کو شریک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔
حضرت جل مجدہٗ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور ائمہ وغیرہ
کے لئے "غفر" اور "رضی" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی
ہے ویقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان
نیز ارشاد ربانی ہے والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم
اس کے علاوہ اس وجہ سے بھی یہ قول مختار ہے کہ صدر اول میں یہ طریقہ
(غیر انبیاء کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا) معروف نہ تھا۔ اس طریقہ
کی ایجاد رافضہ اور متشیعہ نے بعض ائمہ کے متعلق کی ہے۔ (شرح شفا
میں بعض ائمہ سے حضرت علی اور حضرات حسنین مراد ہیں) قاضی صاحب
فرماتے ہیں۔ روافض اور متشیعہ نے بعض ائمہ کو انبیاء کے ساتھ
صلوٰۃ میں شریک کر دیا ہے اور اس طرح اس فعل میں ائمہ کو نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے مساوی کر دیا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی یہ قول (یعنی غیر
انبیاء کے ساتھ صلوٰۃ و سلام نہ لکھنا) اختیار کیا گیا ہے کہ اہل بدعت سے

تشبیہ ممنوع ہے یعنی اہل بدعت جس امر کا التزام کریں اس کی مخالفت لازم ہے۔" اور کچھ چھ سطر کے بعد لکھا ہے:" میرے اساتذہ میں سے امام اسفرائنی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی حافظ عمر بن عبد البر کا قول ہے۔" اھ
علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔

"حقق بعضهم فقال ملخاصله مع زيادة عليه- السلام الذى يعم الحى والميت هو الذى يقصد به التحية كالسلام عند التلاقى او زيارة قبر وهو مستدع للرد وجوب كفاية او عين بنفسه فى الحاضر ورسوله او كتابه فى الغائب- واما السلام الذى يقصد به الدعاء منا بالتسليم من الله تعالىٰ على المدعو له سواء كان بلفظ غيبة او حضور فهذا هو الذى اختص به صلى الله عليه وسلم عن الائمة فلا يسلم على غيره الا تبعا كما اشار اليه التقى السبكى فى شفاء الغرام وحينئذ فقد اشبه قولنا عليه السلام قولنا عليه الصلوٰة من حيث ان المراد عليه السلام من الله تعالىٰ ففيه اشعار بالتعظيم الذى فى الصلوٰة من حيث الطلب لان يكون المسلم عليه الله تعالىٰ كما فى الصلوٰة وهذا النوع من السلام هو الذى ادعى الحليمى كون الصلوٰة بمعناه- الخ

سلام کے مسئلہ میں بعض فضلائے نے تحقیق کی ہے۔ میں ان کے کلام کا خلاصہ مع کچھ اضافہ کے لکھتا ہوں۔ سلام دو طرح کا ہوتا ہے ایک سلام

تحیہ ہے جو آنے والا پیش کرتا ہے خواہ زندہ کو پیش کرے یا صاحب قبر کو۔ اگر زندہ کو پیش کیا گیا ہے اس کا جواب واجب ہے اگر جماعت کو پیش کیا ہے تو وجوب کفائی ہے۔ ایک کا جواب سب کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔ اور اگر کسی فرد کو خود جا کر سلام کیا ہے یا کسی کے ذریعے سے اس کو سلام کا تحیہ ارسال کیا ہے یا خط میں سلام لکھا ہے تو اس شخص پر جواب واجب ہے جس کو سلام کیا ہے یا کہلایا ہے یا لکھا ہے۔ اور دوسرا اسلام یہ ہے کہ سلام کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اپنا سلام اس بندہ پر نازل فرمائے اس کیلئے غائب کا صیغہ استعمال کرے۔ مثلاً سلّم اللہ علیہ یا سلام اللہ علیہ یا حاضر کا جیسے اَللّٰھم سلّم علیہ۔ یہ سلام چونکہ دعا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُمتیوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ہاں تبعاً اور ضمنی طور پر اُمتی کا ذکر کیا جا سکتا ہے جیسے حضرت محمد اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر اللہ کا سلام ہو۔ یہی بات علامہ تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ نے شفاء الغرام میں لکھی ہے۔ اندریں احوال جب ہم علیہ السلام کہتے ہیں تو اس کا مطلب وہی ہے جو علیہ الصلاۃ کہنے کا ہے اس میں بھی وہی تعظیم پائی جاتی ہے جو علیہ الصلوٰۃ میں ہے۔ علامہ حلیمی نے اسی سلام کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ یہ سلام بمعنی صلاۃ ہے " الخ مفہوماً

علمائے اعلام اعلی اللہ درجاتہم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاءِ بعضکم بعضاً۔

یعنی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے اور ان کے آواز دینے کو

معمولی بات نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے بلانے اور آواز دینے کو سمجھتے ہو۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ عرب آپ کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر آواز دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع کیا کہ یہ طریقہ خلافِ ادب ہے۔ تم جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو تو باادب یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہہ کر آپ کو اپنی طرف متوجہ کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تعظیم اور توقیر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اس کا ارشاد ہے وتعزروہ وتوقروہ۔

خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی مسجد شریف نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ امام دار الہجرہ مالک بن انس وہاں بیٹھے تھے انہوں نے خلیفہ سے کہا۔ یہ مقام ادب ہے یہاں اپنی آواز بلند نہ کرو۔ خلیفہ نے دریافت کیا۔ کس وجہ سے؟ امام مالک نے سورۂ حجرات کی چار آیتیں از اول تلاوت کیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس طرح پر آپ کا ادب کرنا سکھایا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ سعادتمند افراد ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم احسانہ نے پرہیزگاری اور تقویٰ کے واسطے جانچ لیا ہے۔ وہ ان کو بخشتا ہے اور ان کی غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باادب رہنے پر ان پر اپنی عظیم نوازشیں کرتا ہے۔

ابن مسعود کے ارشاد کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ اے لوگو! جب

تم درود شریف کا تحفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرو تو اچھے الفاظ سے پیش کرو اور کہو۔ اللھم اجعل صلواتک وبرکاتک علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمۃ اللھم ابعثہ مقاما محمودا یغبط بہ الاولون والاٰخرون۔
جو ادب آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے حضور میں کیا جاتا تھا وہی ادب آپ کی وفات کے بعد آپ کا ہے۔

علماء نے فرمایا ہے۔ اگر آپ کو آواز دینے کے وقت مراعات ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو مخصوص الفاظ اور القاب سے یاد کیا جائے تو آپ پر درود وسلام پیش کرتے وقت بھی از روئے مراعات ادب لازم ہے کہ درود وسلام کے الفاظ مخصوص ہوں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تعلیم دی ہے لہذا ان مبارک الفاظ کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہیئے۔

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے حضرت علی وحضرات حسنین اور بعض دیگر افراد اہل بیت اطہار نبوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسماء گرامی کے ساتھ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یا علیہ السلام کہنے اور لکھنے کی وجہ بیان کر دی ہے کہ یہ عمل روافض اور متشیعہ کا ہے۔ صدر اول میں اس کا وجہ دستور نہ تھا۔ زمانہ حاضر کے ایک شیعی مجتہد کے قول سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز سے فرقہ اثنا عشریہ کے مجتہد سید مجتبیٰ حسن صاحب نے کہا کہ

"یہ بارہ افراد امام ہیں۔ ان کی امامت وہ نہیں جو ائمہ مجتہدین کی ہے بلکہ یہ وہ امامت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے عنایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما۔ یہ امامت مقام نبوت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ یہ بارہ افراد سیدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حلقات ہیں۔ جب کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں، آپ کی نبوت کے حلقات بھی بالیقین تمام انبیاء ماسبق سے افضل ہیں اور ان حلقات نبوت کی امامت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت سے افضل ہے۔ یہ بارہ افراد انبیاء ہیں اور اسی وجہ سے ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ علیہ السلام کا استعمال عام ہے۔"

استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔

بہرحال یہ قول اور عقیدہ شیعی مجتہدین اور روافض کا ہے اس موقعہ پر تفسیر عزیزی کے ایک نکتہ کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر عزیزی میں از سورۃ بقرہ آیت ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے برائے طلب مغفرت یہ الفاظ فرمائے۔ اسئلک بحق محمد الا غفرت لی۔ اور پھر لکھا ہے کہ فقہائے کرام نے بحق فلاں کہکر دعا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ اس کے بعد آپ نے مکروہ قرار دینے کی وجہ بیان کی ہے کہ معتزلہ کے مذہب میں

بندہ کا عمل بندہ کی پیداوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کا اجر مقرر کیا ہے۔ یہ اجر بندہ کا حق ہے۔ ایسا حق جو کہ حقیقی ہے اور اہلِ سنت کے نزدیک کیا بندہ اور کیا اس کا عمل۔ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ نے اگر اس کے عمل پر اجر دینے کو کہا ہے تو یہ اس کا کرم ہے اور اس کی بندہ پروری ہے اور یہ حق تفضّلی اور تکرّمی ہے۔

فقہائے کرام کے زمانہ میں معتزلہ کا مذہب بہت رائج تھا اس لئے فقہاء نے اس لفظ کے استعمال سے منع کیا تاکہ عوام اور کم علم افراد اعتزال کا شکار نہ ہوں اور چونکہ اب معتزلہ کا مذہب پارہ ہائے اوراق تک محدود ہو کر رہ گیا ہے لہٰذا اس لفظ کے استعمال میں جو ممانعت داخل ہوئی تھی اور وہ اب باقی نہیں رہی ہے بحق فلاں کہہ کر دعا کرنی جائز ہے۔ انتہیٰ ملخصاً ومفہوماً۔

جائے فکر

ہندوستان میں جماعت اہلِ سنت کے افراد جس تیزی اور آسانی سے شیعانِ اہلِ بیت اطہار میں شامل ہو رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اور یہ بات دیگر ممالک اسلامیہ میں کیوں نہیں ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ اہلِ ہند نے قاطبۃً بارہ حضرات کے اسمائے گرامی کے ساتھ امام کا لفظ بمنزلہ جزو اسم قرار دیدیا ہے اور پھر ان کے واسطے دعائیہ جملہ علیہ السلام تجویز کر رکھا ہے۔ جو کسی دوسرے امتی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ کوئی نہیں کہتا بلکہ کہہ نہیں سکتا ابوبکر علیہ السلام، عمر علیہ السلام، عثمان علیہ السلام بلکہ ان حضرات کے لئے رضی اللہ عنہ کا استعمال ہوتا ہے۔ عوام الناس

یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور اگر وہ خود اس طرف متوجہ نہیں ہوتے تو جماعت مجتہدین ان کو متوجہ کرتی ہے اور ان کو دکھاتی اور سمجھاتی ہے کہ یہ دعائیہ جملہ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے مبارک ناموں کے ساتھ بولا جاتا ہے ہمارے ائمہ کے ناموں کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے۔ اسی سے ظاہر دباہر ہے کہ یہ بارہ افراد زمرۂ انبیاء میں شامل ہیں اور ان کی امامت معمولی امامت نہیں ہے بلکہ حضرات انبیائے ماسبق کی امامت ہے حسبی اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس عاجز کے سامنے ڈیڑھ سو سال قبل کے ایک عالم فاضل، کامل، صاحب تفسیر و دیگر کتب کثیرہ کی ایک فارسی کتاب ہے انہوں نے دوازدہ امام کے ساتھ معصومین کا اضافہ کیا ہے۔ وہ یقیناً از علمائے اہل سنت ہیں اور اہلِ سنت کے نزدیک صرف انبیاء کی ذات معصوم ہے۔ اولیا کو معصوم کہنا درست نہیں۔ ان کی یہ تحریر اس دعوت تشیع سے آگاہ کر رہی ہے جس کا شکار عوام ہو رہے ہیں ——— اگر بعض علماء کی تحقیق برائے غیر انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام یا علیہ الصلاۃ یا علیہ السلام کہنے کو جائز قرار دیتی ہے اور ان کے قول پر کوئی عمل کرتا ہے تو وہ پہلے ان دو حضرات کے ساتھ اس کا استعمال کرے جو اہلِ سنت کے نزدیک شیعان اہلِ بیت اطہار کے بارہ اماموں سے باتفاق افضل ہیں اور وہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ مجوزین نے اگر جواز کا بیان کیا ہے تو تمام صحابہ و علماء و صلحاء کے لئے کیا ہے صرف اہلِ بیت اطہار کے بارہ افراد کے لئے نہیں کیا ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے حضراتِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذکر کے وقت لفظ امام کا استعمال اور علیہ السلام کی دعا کرنے کو یہ عاجز ہرگز تجویز نہیں کر سکتا۔

۲۔ کربلا کی لڑائی کو کفر و اسلام کی لڑائی ثابت کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ پہلے تین افراد کا کفر قطعی طور پر ثابت ہو۔ (۱) اس وقت کے بادشاہ یزید۔ (۲) عراق و خراسان کا حاکم اعلیٰ ابنِ زیاد (۳) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے والا فوجی دستہ کا بڑا افسر جو کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لڑکا عمر تھا ——— اس عاجز نے قدیماً و حدیثاً دسیوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ کی چاروں جلدوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ کسی ایک جگہ سے بھی اِن تین افراد کا کفر یا ارتداد ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ یزید اپنی بادشاہت کی حفاظت اور پائداری چاہتا تھا۔ ابنِ زیاد کا مقصد یزید کو خوش کرنا تھا۔ عمر بن سعد کی تمنا تھی کہ نواحِ دیلم کا والی بنا دیا جائے ابنِ زیاد نے اس سے کہا کہ اگر اس فوج کی افسری قبول کرتا ہے تو میں تجھ کو دیلم کا حاکم بنا دوں گا۔ ان ظالموں نے ان امور کی وجہ سے ریحانۃ الرسول اور ان کی اولاد و رفقاء کے خون سے کربلا کی زمین کو رنگ دیا۔ ایک طرف ظالموں کی جماعت اور دوسری طرف مظلوموں کی فلاکت۔ فَیَاللّٰہِ مِنْ رَزِیَّۃٍ

مارعی فیہا ذمام ملک مرؤ | س وقد خان عہد الرؤساء
ابدلوا الود والحفیظۃ فی القر | لی و ابدت ضبابہا النافقاء
وقست منہم قلوب علی من | یکت الارض فقدہم والسماء

فابکھم ما استطعت ان قلیلا ۔۔۔ فی عظیم من المصاب البکاءُ
کل یوم و کل ارض لکربی ۔۔۔ منھم کربلاء و عاشوراءُ
آل بیت النبی ان فوادی ۔۔۔ لیس یسلیہ عنکم التاساءُ
غیر انی فوضت امری الی اللّٰہ ۔۔۔ و تفویضی الامور براءُ

الی اللّٰہ المفزع والیہ المشتکیٰ

اثنا عشریہ کے نزدیک کربلا کی لڑائی کو کفر و اسلام کی لڑائی کہا جائے گا۔ کیونکہ حضرت حسین نہ صرف نبی تھے جیسا کہ ان کا خیال باطل ہے بلکہ امام الانبیاء تھے، لہذا جو بھی ان کے مقابلہ پر آیا وہ کافر ہے وکفرہٗ اشد من کفر فرعون وھامان جن کی نظر میں افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سائر صحابہ رضوان اللہ علیہم کافر ہوں تو پھر ان کے نزدیک ان ظالموں کے کفر میں کیا کلام ہے اور کربلا کی لڑائی کو کفر و اسلام کی لڑائی قرار دینے میں کیا اشکال ہے۔

اہلِ بیت اطہار کی محبت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کے لئے اُن پاکیزہ نفوس کی محبت سرمایۂ سعادت ہے لیکن یہ نہ ہونا چاہیئے کہ حبک الشیٔ یعمی و یصم صادق آجائے اور ہم غلط راہ پر پڑ جائیں اور حفظِ مراتب کی قید سے اپنے کو آزاد کرلیں ہر نیک کام کو دوستی کے پیرایہ میں بگاڑنے کیلئے شیاطین مقرر ہیں، نماز میں آنے والا شیطان خنزب ہے۔ وضو میں وسواس پیدا کرنیوالا ولہان ہے، اہلِ بیت کی محبت میں غلو کرانیوالا بھی کوئی شیطان ہے جو راہِ حق اور ائمہ دین کے مسلک سے ہم کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہے ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

یکشنبہ ۱۲ ماہ صفر ۱۳۹۰ھ ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء

"ابوالحسن زید فاروقی" خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ چتلی قبر۔ دہلی ۶